حیاتِ قادر

مؤلف

عبید اللہ دُرّانی

باب نمبر ۵

ناگپُور

ناگپور جانے کی دُھن ایسی سمائی کہ مجبوراً اعزا کو سامانِ سفر کا انتظام کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں رائے پور کی ریل نہیں بنی تھی۔ اور ناگپور کا راستہ کھڑک پور ہوتے ہوئے کلکتہ کی طرف سے تھا۔ بابا صاحب کے ساتھ پندرہ بیس ساتھی بھی تیار ہو گئے، جن میں رحمن خان صاحب جو خاص دوست تھے پیش پیش تھے۔ روپیہ اکٹھا ہوا اور چونکہ سب مسافر نو عمر تھے اس لئے پپّو رائو نامی ایک عمر رسیدہ برہمن وکیل کو آمادہ کیا گیا کہ ان لوگوں کو حفاظت کے ساتھ زیارت کرانے کے بعد واپس لے آئے۔ پپّو رائو نے پیسے تو اپنی جیب میں رکھ لئے اور ریل کے ایک ڈبہ میں ان لوگوں کو بغیر ٹکٹ بٹھا کر خود دوسرے ڈبہ میں بیٹھ گیا۔

امڈائوسا کے اسٹیشن پر ٹکٹ کلکٹر نے ٹکٹ طلب کیا تو پپّو نے معلوم نہیں کیوں یا شاید اس خیال سے کہ حضرت بابا تاج الدین صاحب نے جب بلایا ہے تو وہ بے عزت نہ ہونے دیں گے۔ یا اپنی جان بچانے کے لئے بابا صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ ٹکٹ ان کے پاس ہیں اور چپکے سے بابا صاحب کے کان میں اصل واقعہ بیان کر دیا۔ اور کہا کہ مجھ سے یہ قصور ہو گیا ہے تم مجھے بچالو۔ بابا صاحب کو پہلے تو پپّو کی اس رذیل حرکت پر بہت غصہ آیا مگر موقعہ کی نزاکت اور اپنی بے بسی کے احساس اور ان سب باتوں کے علاوہ منزل پر پہنچنے کی تڑپ نے کچھ ایسا محو کر دیا کہ کچھ نہ بولے۔ ان کی اس خاموشی کا یہ اثر ہوا کہ پورے ڈبہ میں موت کا سا سناٹا چھا گیا۔ اور ٹکٹ کلکٹر کو بھی چُپ سی لگ گئی۔ وہ بابا صاحب کے چہرے کو کچھ دیر تک تو تکتا رہا پھر چپکے سے چلا گیا۔

غیر ذمہ دار دنیا پرست پپّو سارے پیسے اپنی جیب میں دبائے برہم پورا اسٹیشن پر یہ کہہ کر مجھے کورٹ میں کچھ کام ہے، سب کو لے کر اُتر پڑا۔ مگر اب یہ مسئلہ در پیش ہوا کہ اسٹیشن کے باہر بغیر ٹکٹ کیسے جائیں۔ یہاں بھی پپّو نے شرارت کی اور ریفرشمنٹ روم کے پیچھے والے دروازہ سے نکل گیا۔ دوسرے دن یہ لوگ پھر گاڑی میں سوار ہوئے اور اس بھروسہ پر کہ پپّو نے ٹکٹ خرید لئے ہوں گے۔ کھڑک پور پہنچے۔ یہاں گاڑی بدلنی تھی۔ یہاں بھی پلیٹ فارم سے باہر جانے کا سوال تھا۔ بابا صاحب کو کچھ خبر نہ تھی کہ معاملہ کیا ہے ہر ایک نے اپنا بستر بغل میں دبایا اور ایک کے پیچھے ایک یہ کہتے ہوئے کہ ٹکٹ پیچھے والے صاحب کے پاس ہیں تم گنتے رہو۔ آخیر میں بابا صاحب تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو آپ نے پپّو کی طرف اشارہ کیا۔ ٹکٹ کلکٹر ایک قوی ہیکل پنجابی تھا اسے

بہت غصہ آیا اور اس نے بہت سی گالیاں دیں۔ بابا صاحب شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے۔ غصہ تو کیا آتا اُلٹے اس فکر میں پڑ گئے کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔

ٹکٹ کلکٹر بابا صاحب کو وہیں بٹھا کر خود شاید رپورٹ کرنے یا کسی اور وجہ سے کہیں اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں جب واپس آیا تو بڑی شفقت سے بابا صاحب سے پوچھا تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے تمہیں گالیاں دے کر بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ مجھ کو معاف کر دو۔ مجھ سے جو خدمت بھی ہو سکے گی میں کروں گا۔ بابا صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور اتنا کہا کہ میرے اور ساتھ باہر ہیں ٹکٹ کلکٹر باہر گیا اور ان سب کو بلا کر لے آیا اور بہت ہی عمدہ ناشتہ کرایا۔ پھر اسے جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ناگپور جا رہے ہیں تو ناگپور کا کرایہ سوا تیرہ روپیہ نکال کر بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ تم لوگ نیک بچے ہو اس پپّو نے تم سب سے دھوکہ کیا۔ بابا صاحب نے سوا تیرہ روپیہ پپّو کو دے دیئے اور پلیٹ فارم پر بیٹھ گئے۔ پپّو نے ان روپیوں سے سب کو کھانا کھلایا۔

ابھی یہ لوگ پلیٹ فارم پر ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بظاہر متمول تاجر آپ کی طرف مخاطب ہوا اور پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ بابا صاحب نے بتایا کہ ناگپور جا رہا ہوں۔ تاجر نے کہا کہ میرے ساتھ چلو میں تم کو پہنچا دوں گا۔ وہ ٹکٹ خرید لایا۔ آپ کے حوالہ کیا اور آپ کو ساتھ لے کر ایک اونچے درجہ میں بیٹھ گیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بابا صاحب پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اگلے اسٹیشن پر جب آنکھ کھلی تو وہ تاجر وہاں موجود نہ تھا۔ یہ سوچ کر کہ شاید اسے کہیں اور جانا تھا، راستہ میں اُتر گیا ہو گا۔ آپ خاموش بیٹھے رہے۔ آپ کے ساتھی بھی اسی گاڑی میں اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔

اس زمانہ میں بابا تاج الدین کی بزرگی کا بڑا چرچا تھا، اور اسٹیشن پر بابا صاحب کا نام لینے والوں سے ٹکٹ کی زیادہ پُرسش نہ ہوتی تھی۔ شکر دھارا ناگپور سے چار پانچ میل کی دوری پر تھا، جہاں پر بابا تاج الدین اولیاؒ کا مسکن تھا۔ بابا صاحب تانگے سے وہاں پہنچے اور محمد غوث بابا کی جھونپڑی میں جو وجے نگرم کے ہی رہنے والے تھے ڈیرا ڈال دیا۔

یہ تھا پہلا سفر طالب کا مطلوب کی طرف اور بے قراری کو قرار کی جانب۔ اس سفر میں جو تکلیفیں اور شرمندگیاں اٹھانی پڑیں کیا اس لئے تھیں کہ آپ کے استقلال کی آزمائش ہو اور کیا یہ مراعات اور مشکل کشائی اس لئے رونما ہوئی کہ آپ کے توکل کی بنیاد ہو۔ اللہ والوں کے بھید تو اللہ والے ہی جانیں۔ بہت سے واقعات بظاہر ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر غور کیجئے تو ان میں بہت کچھ مل جاتا ہے اور اگر اتفاقات کہہ کر ٹال دیجئے تو کچھ بھی نہیں۔

مگر یہ یقینی امر ہے کہ کسی بزرگ تک رسائی چاہے اس کی ذات ظہور میں ہو یا پردے میں جب تک خود اس کی طرف سے تحریک نہ ہو ممکن نہیں ہے۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ حضرت بابا تاج الدین اولیاؒ کا جلال جو الم نشرح تھا ایک جمال کے سانچے میں ڈھل کر بابا قادر اولیا میں نمودار ہوا اور ''جلالِ کبریائی در جمال مصطفی دیدم'' کے لئے زمانہ کو جس کی تلاش تھی اس کی تکمیل بابا قادر اولیا کی ذات سے ہو۔

بابا صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ حق کی تمہیں کیا تلاش ہو گی۔ حق کو تم جانتے ہی کیا ہو اور تمہیں خبر کیا کہ خود حق کو تمہاری کتنی تلاش ہے۔ حق کی آواز ہے کہ تم مجھ میں سما جاؤ اور میرا بول بالا کرو۔ بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ بابا صاحب کو کسی نامعلوم شے کی تلاش تھی۔ ان کا دل کہتا تھا کہ تم ناگپور چلو، وہاں سب کچھ ملے گا۔ مشیت کو بھی آپ کی طلب تھی تاکہ بابا تاج الدین کے ہاتھوں آپ کا سہرا سجایا جائے اور آپ کو دولہا بنایا جائے۔

یہ سفر بھی کیا خوب سفر ہے جو حق کی تلاش میں انسان کرتا ہے۔ دنیا کی چال چاہے کتنی ہی ہیر پھیر کی ہو۔ کتنی ہی اونچ نیچ کی ہو، یہی راستہ جس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں، بہت لمبا بھی ہے اور بہت ہی مختصر بھی۔ اس راہ کے مسافر کو ہر ہر قدم پر دل کی سینکڑوں دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں اور جوں جوں منزل قریب آتی نظر آتی ہے۔ اس کی وارفتگی بڑھتی ہی جاتی ہے اور شوقِ خاکی جسم کے وجود کو پھاڑ کر باہر نکل آنے کے لئے تڑپتا ہے۔ کبھی تو دل انتہائی اضطراب سے ساکت ہو جاتا ہے۔ سانس گھٹنے لگتی ہے اور کبھی صبح کی روشنی کی طرح سارے عالم پر چھا کر خود آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

یہ سب تو خیال آرائیاں ہیں۔ بابا صاحب کی کیفیت کیا تھی، ان کا دل کیا چاہتا تھا۔ اس کا اندازہ کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ فہم اور ادراک کا ان میدانوں میں گزر ہی نہیں۔ بابا صاحب پڑھے لکھے تو تھے نہیں کہ ایسے احساسات کا خیر مقدم کرتے۔ وہ ایک سیدھے سادے بھولے بھالے بچہ کی طرح تھے۔ البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ ان کا دل سمندر کی طرح جوش مارتا رہتا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ دل کو ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش کر دیں۔ اس کارزار میں نہ دماغ کا کام تھا نہ گذر۔ صرف دل تھا اور دل والوں کی دنیا تھی جس میں نہ آسمان کی سمائی تھی نہ زمین کی گنجائش۔

کائنات کی رفتار میں دو قسم کی روشیں دیکھی گئی ہیں۔ ایک ارتقا یعنی وہ مدھم چال جس کو انسان محسوس نہیں کر سکتا کہ اس عرصہ میں اس کی زندگی میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں دوسری انقلاب۔ یعنی بہت تھوڑے وقت میں فطرت کی طاقتوں کا یکجا ہو کر بم کی طرح پھٹنا اور نمایاں تبدیلیاں ظہور میں آنا۔ پہلا طریقہ جمالی ہے۔ دوسرا جلالی۔ ایک انسان بطنِ مادر میں آنے کے بعد نو ماہ تک تاریکی میں نشوونما پاتا ہے اور پھر روشنی میں آ کر عمر بلوغ تک پہنچنے میں اسے چودہ سال یا اکیس سال لگتے ہیں۔ یہ شعور کی ارتقائی

منزلیں اور پیمانے ہیں۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابھی بچہ صحیح بات بھی نہیں کر سکتا پھر بھی اس کا شعور اچھے اچھوں کے شعور سے بلند تر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ارتقا کے بجائے انقلاب کے ذریعہ ترقی کی ہے۔

حیاتِ انسانی میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ مصلحین اور مجددین زمانہ کو نیکی کی طرف دعوت دیتے اور بھلائی کی طرف بلاتے رہتے ہیں اور انسانیت پر کچھ نہ کچھ احسان کر کے زمانہ کی منتشر طاقتوں کا رُخ پھیر دیتے ہیں مگر جب انحطاط اور بے بسی اپنی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو انقلاب کے بغیر کام نہیں چلتا۔ ایسے ہی زمانہ میں ایک روحانی آتش فشاں ظہور میں آتا ہے اور صدیوں سے مٹی کا ڈھیر جن جذبات کو دبائے رکھتا ہے۔ اسے پھاڑ کر روحانی قوت بخشتا ہے اور روح کی طرح جلاتا بھی ہے اور چلاتا بھی ہے۔

ایسی ہستیاں رشد و ہدایت کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ روحانی ذوالفقارِ علی ہاتھ میں لے کر ساری الحادی قوتوں کو اور مادہ پرستی کے جذبات کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ شمس تبریزؒ کی ذات ایسی ہی تھی اور تاریخ انسانی میں ایسی بہت سی ہستیاں گزری ہیں۔ مگر چونکہ ان کا دائرہ عمل صرف باطن سے تعلق رکھتا تھا اس لئے ظاہری دنیا میں وہ مجذوب اور پاگل کی طرح آئیں بھی اور چلی بھی گئیں اور آج ان کا نام تک بھی کوئی نہیں جانتا۔ ناگپور کے بابا تاج الدین اولیاؒ ایسی ہی ہستیوں میں سے تھے۔ ان کے جلال کی قوت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ بظاہر وہ ایک مجذوب تھے۔ تقریباً برہنہ رہتے تھے۔ دین کی پابندی سے دور تھے۔ گالیاں دیتے تھے۔ غلاظت اور صفائی میں کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے۔ مگر بباطن انہوں نے اپنے ہی وجود کی مثال پیش کر کے بہت ٹھوس طریقہ سے ثابت کیا کہ جب روح قدوستی کے مقام تک پہنچ جاتی ہے تو مٹی کا یہ جسم جو اس کا قالب ہے اس روح کے ساتھ لطافت اختیار کر لیتا ہے۔ اکثر دیکھا جاتا تھا کہ بابا تاج الدینؒ ابھی یہاں ہیں تو ابھی کہیں اور۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں کئی کئی مقامات پر موجود ہیں۔ خواب و خیال میں نہیں، پرچھائیں یا عکاسی کی شکل میں نہیں بلکہ انسانی جسم کے ساتھ۔ عقیدت مند ان کے پائوں چھوتے تھے اور ان کے جسم کے لمس کو محسوس کرتے تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنے مستقر سے باہر نکلتے تھے تو سینکڑوں آدمی ایک ساتھ چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر اپنی اپنی مرادیں مانگتے اور شور و غل مچاتے اور وہ بغیر کسی سے مخاطب ہوئے خدا جانے کیا کیا کہتے رہتے تھے اور اس بڑ میں سوال کرنے والے اپنے جواب پا کر ایسے مطمئن اور خوش ہو جاتے دتھے کہ سامنے بٹھا کر بھی کوئی اطمینان دلاتا تو اتنا سکون نہ ملتا۔ یہ تھی کرامت بظاہر ایک پاگل مجذوب مارنے پیٹنے اور گالیاں دینے والے انسان کی۔

بابا قادر اولیا کو اپنے والد محترم کی وصیت پوری کرنی تھی۔ اس کے سوا نہ کوئی طلب تھی نہ کوشش۔ غالباً دل میں سوچتے رہے ہوں گے کہ اس عجیب قسم کے پاگل سے مجھے کیا لینا ہے۔ سامنے پہنچے تو تاج الدینؒ نے دیکھتے ہی کہا ''شیر کا بچہ شیر ہے۔'' اور پاس رکھے ہوئے کچھ کیلوں میں سے ایک کیلا اُٹھا کر ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ بابا قادر نے کیلا لے تو لیا مگر وہ ذرا گلا ہوا تھا۔ مزاج

میں انتہائی نفاست اور صفائی تھی۔ طبیعت میں گھن آئی۔ چپکے سے ہاتھ پیچھے کر لیا تو بابا تاج الدینؒ نے کہا کہ تم اسے کھائو یا نہ کھائو جو تمہیں پہنچنا تھا وہ پہنچ گیا۔

شکر دھارا بستی میں بابا تاج الدین اولیا کے چھ سات مرید تھے جو زیادہ تر مجذوب تھے زائرین بابا تاج الدینؒ کے بچے کہلاتے تھے وہاں جو بھی آتے تھے بابا تاج الدینؒ سے نیاز حاصل کرنے کے بعد ان کے بچوں کے پاس بیٹھتے تھے اور کچھ وقت صرف کرتے تھے۔ بابا قادر قبلہ بابا تاج الدینؒ سے ملاقات کے بعد ان لوگوں کے پاس پہنچے تو ان میں سے جبلپور والے بابا صاحب نے قادر بابا کی طرف دیکھا اور لوٹن کبوتر کی طرح زمین پر چکر کاٹنے لگے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے "کہ تمہارے میں کیا کمال ہے۔ تمہارے میں کیا کمال ہے۔ تم نے سب کچھ پالیا ہے اور ہم یہاں آگ میں بھُن رہے ہیں۔" اگلے دن جب جبلپور والے بابا صاحب بابا تاج الدینؒ کی قدم بوسی کے لئے پہنچے تو ارشاد ہوا "ارے تو ہمارا کیا کمال دیکھتا ہے۔"

حضرت غوث بابا کی جھونپڑی میں بابا صاحب اور ان کے دو ایک ساتھی ٹھہرے ہوئے تھے لنگر خانہ کا انتظام اور خصوصاً بابا تاج الدین کے لئے جو چائے اور کھانا جاتا تھا وہ حضرت غوث بابا ہی کے گھر سے جاتا تھا۔ حیات خاں نامی ایک خادم لنگر خانہ کے مہتمم تھے اور بابا صاحب کو کھانا پہنچانا ان کے ذمہ تھا۔ ان کو اس بات پر بڑا ناز تھا کہ بابا صاحب کا خاص خادم ہوں اور ان کے لئے مرمٹنا میرا دین ہے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ وجیا نگرم کا لڑکا خواہ مخواہ یہاں پڑا ہوا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا تو آپ کو کلہاڑی دی اور کہا کہ لنگر خانہ کی لکڑیاں پھاڑو یہاں مفت کا کھانا نہیں ملتا۔ بابا صاحب نے جو نازوں کے پلے ہوئے تھے بڑی مشکل سے آدھ گھنٹہ ہی محنت کی ہو گی کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور آ کر لیٹ گئے۔ جب حیات خاں کھانا لے کر بابا تاج الدینؒ کے پاس پہنچے جہاں اور لوگ بھی موجود تھے تو بابا تاج الدینؒ نے اوروں سے مخاطب ہو کر اپنے ہاتھ دکھائے۔ ہاتھوں میں چھالے پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا دیکھا جی یہ حیات خاں (دو چار غلیظ گالیاں دے کر) ہم سے لکڑیاں پھڑواتا ہے۔ یہ دیکھو ہمارے ہاتھ کے چھالے۔ حیات خاں اور غوث بابا سہم کر رہ گئے کہ یہ کیا پیری مریدی ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ بابا تاج الدین صاحبؒ جس راجہ کے یہاں رہتے تھے ایک دن اس کے مندر میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ بابا صاحب وہاں چلے گئے۔ ہلکی سردی پڑ رہی تھی وہاں جا کر بابا صاحب سب سے بڑی مورتی کے سر پر بیٹھ گئے۔ رات کا وقت تھا حیات خاں نے چائے لا کر پیش کی۔ بابا قادر قبلہ بھی دور ایک کونے میں سرخ شال اوڑھے کھڑے تھے۔ بابا تاج الدین اولیاؒ

نے چائے کا گلاس ہاتھ میں لے کر حیات خاں کو دیا اور فرمایا کہ لال شال والے کو پلادو۔" حیات خاں سارے مجمع میں ڈھونڈتے پھرے۔ لال شال والے ایک ہی تھے۔ حیات خاں کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ اشارہ اس الہڑ لڑکے کی طرف بھی ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ بزرگ عالم اور زاہد برسوں کی گھٹن ریاضت کئے ہوئے فقیر اس ہجوم میں موجود تھے۔ حکم سے مجبور تھے۔ چائے کا گلاس آپ کو دیا اور باباوقار قبلہ نے نوش فرمایا۔

ناگپور کے قیام کے زمانہ کو یاد کر کے بابا جان نے فرمایا۔ ناگپور میں بڑے آم کے درخت کے پار کھیت تھے۔ اس میں ناگر کر مرچیں، بھنڈی، کپاس، امبارہ بوئے ہوئے تھے۔ مرچیں چپٹی اور چار پانچ انچ لمبی۔ ایک طرف سرخ ایک طرف سبز اور بہت کم بیج۔ مرچوں کو دیکھ کر طبیعت للچائی۔ رحمن خاں نے ایک تولیہ بھر کر مرچیں توڑیں اور درختوں کے نیچے سے املی کی بوٹ توڑ کر املی کا کھٹا بنایا۔ میں نے خوب کھایا۔ جب بابا تاج الدینؒ کے پاس پہنچے تو ارشاد ہوا۔ "باپ دادا کا کھیت تھا۔ بغیر اجازت کیوں لیں مرچیں۔" رحمن خاں بہت شرمندہ ہوئے میں نے یہ سوچا کہ مالی ملتا تو ۲ آنے چار آنے دے دیتا۔ سستا زمانہ تھا۔ تین پیسے میں ایک ٹوکرہ مرچیں یا بھنڈی آجاتی تھیں۔

ایک بار فرمایا۔ ناگپور میں بابا تاج الدینؒ کے تانگے کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ ایک پہلوان نے ایک سیتا پھل چھیل کر بابا صاحب کو دیا۔ بابا صاحب کی ناک سے رینٹھ، منہ سے رال اور آنکھوں سے چیڑ جارہا تھا۔ کچھ منہ میں ڈال کر پھر نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ مجھے اتنی گھن آئی کہ ہاتھ کو دور رکھ کر منہ پھیر لیا۔ دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ بابا صاحب نے فرمایا "تم ہمارا جھوٹا کیوں کھاتے۔" ایر گائوں کی ندی میں ریت سے رگڑ رگڑ کر خوب ہاتھ دھویا اور دیکھتا رہا کہ اس کا اثر ہاتھ کے اندر تو نہیں گیا۔ لوگوں نے ہاتھ چاٹ چاٹ کر صاف کر دیئے۔ دو سال سوچتا رہا کہ کھالیتا تو اچھا ہوتا۔ مگر ایک دن بابا صاحب نے پورا ناشتہ دان بغیر کھولے جس میں ہرن کا پکا ہوا گوشت تھا میرے لئے بھیجا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک دن صبح کے وقت بابا قادر حوائج ضروری کے لئے رحمن خاں صاحب کے ساتھ جنگل کی طرف گئے تو دیکھا کہ بابا تاج الدین کا تانگہ دور سڑک پر چلا جارہا ہے اور خلقت پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ ٹھیک اسی وقت دیکھا کہ بابا تاج الدینؒ ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ سے کچھ باتیں کیں اور غائب ہو گئے۔

فقیروں کی اصطلاحیں اور زبان عجیب ہوتی ہے۔ بابا تاج الدینؒ کبھی سیدھی بات نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ماڑواڑی اپنی بیوی اور اپنے اکلوتے بچہ کو لے کر کاٹھیاواڑ سے ناگپور آیا۔ بچہ دن رات چیختا تھا۔ ماڑواڑی حکیموں اور عاملوں کو دکھا کر تھک چکا تھا۔ بچہ کو جب بابا تاج الدینؒ کے سامنے پیش کیا تو ارشاد ہوا۔ "چولہے میں ڈال دے۔" یہ فقرہ ماڑواڑی کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ اور

اس کی بیوی بہت مغموم ہوئے کہ ہم کن امیدوں سے یہاں آئے۔ اور بابا صاحب کیا فرماتے ہیں۔ وہ دونوں مایوس جا رہے تھے کہ راستہ میں باباو قار اولیا سے ملاقات ہوئی انہوں نے ان سے حال پوچھا۔ اس کے بعد بابا قادر ہنسنے اور کہنے لگے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مرچیں وار کر چولہے میں ڈال دو۔ بچہ کو نظر لگ گئی ہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور بچہ کو آرام ہو گیا۔

ایک اور واقعہ ہے۔ جادرہ کے نواب کی بیگم صاحبہ اور ان کی صاحبزادی نوابی کروّفر سے بڑے بڑے طباقوں میں مٹھائیاں خوشبو دار عمدہ لباس لے کر بغرض نیاز دربار میں حاضر ہوئیں۔ قدمبوسی کے بعد بابا صاحب نے فرمایا ''سوکھا ناریل، نیا گڑ اور تازہ چنوں میں بڑا مزا ہے۔'' بیگم صاحبہ یہ سمجھیں کہ شاید بابا صاحب کو یہ مٹھائیاں پسند نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی فوراً مع اپنے ساتھیوں اور ملازموں کے شہر پہنچیں۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ دکانداروں کو جگایا گیا۔ گڑ اور کھوپرا خریدا گیا۔ بھڑ بھوجے کو جگا کر تازہ تازہ گرم چنے لئے گئے اور طباقوں میں بھر کر واپس آئے اور بابا تاج الدین کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر بابا صاحب نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ کہا۔ اس پر بیگم صاحبہ کو فکر ہوئی کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کہ بابا صاحب نے نذر قبول نہیں کی۔ اتفاق سے قادر بابا صاحب اِدھر سے گزر رہے تھے۔ ان سے اس کا ذکر کیا کہ آپ ہی بتائیں کہ مجھ سے کیا قصور ہوا۔ بابا صاحب نے تھوڑی دیر غور کر کے فرمایا۔ ''سوکھے ناریل سے مطلب اللہ ہے، نئے گڑ سے مطلب آخری نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تازہ چنوں سے مطلب ولی وقت خود بابا صاحب ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بیگم صاحبہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگیں کہ میں اسی مسئلہ کو حل کرنے آئی تھی کہ خدا۔ رسول اور پیر ان تینوں میں سے توحید کو کیسے پائیں۔ میرا دل روشن ہو گیا ہے۔ اور سب کچھ سمجھ میں آ گیا ہے۔ بیگم صاحبہ بابا قادر صاحب پر بہت مہربان ہوئیں۔ اور متمنی ہوئیں کہ آپ ان کے ساتھ جادرہ چلیں، اور وہیں قیام فرمائیں۔ مگر ہمارے بابا صاحب نے اس کو قبول نہ فرمایا اور قبول فرماتے بھی کیسے۔ ان کو تو وجے نگرم کے جنگل میں چنے چبانے، ناریل گڑ اور چنوں کی توحید رچانی تھی۔

فقراء کی باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ ان کے مذہب میں ایک ہی گناہ کبیرہ ہے اور وہ یہ کہ کسی کا دل دکھائیں یا مردم آزاری کریں۔ اس لئے فقیر اگر کسی کو تنبیہہ کرتا ہے تو اس سے مقابل ہو کر گفتگو نہیں کرتا۔ کسی اور کو مخاطب کر کے باتیں کرتا ہے جو مخاطب کے ذہن میں ذرہ بھر نہیں آتیں اور جس طرف اس کا اشارہ ہوتا ہے وہ سر نیچا کر کے ہر ایک بات کو سمجھتا ہے اور اسے اوروں سے ظاہری شرمندگی نہیں ہوتی۔ اور اس کی انا کو بھی صدمہ نہیں پہنچتا کہ مجھے یوں کہا گیا۔ ہمارے بابا صاحب فقیرانہ اخلاق کے مجسمہ ہیں۔ کسی انسان کا تو ذکر ہی کیا۔ کبھی کتے کا دل بھی نہیں دکھایا۔ وہ جانوروں کے دل کو بھی ایسی ہی اہمیت دیتے ہیں جیسے اپنی جان کو۔ اکثر فرماتے ہیں کہ سب کا دل ایک ہے چاہے چرند ہو، پرند ہو یا انسان۔ آپ اصطلاحی زبان کے ادیب کامل ہیں۔ روزمرہ کی

معمولی گفتگو میں جو لفظ منہ سے نکلتا ہے اس میں معنی در معنی ہوتے ہیں اور اتنے لطیف اشارے کہ جس کی سمجھ میں کچھ آجاتا ہے وہ کندن بن جاتا ہے۔

محمد غوث بابا کی جھونپڑی کے آگے ایک بہت پرانا املی کا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے بابا قادر اور رحمن خاں صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ رات کے چار بجے تھے کہ بابا قادر نے کچھ غنودگی اور کچھ جاگنے کی حالت میں دیکھا کہ دو بڑی بڑی الماریاں ہیں جن کی دو چاندی کی کنجیاں کسی نے آپ کے حوالہ کیں اور کہا کہ کھولو۔ جب بابا صاحب نے قفل کھولے تو ایک الماری کتابوں سے بھری ہوئی تھی اور دوسری الماری میں صرف ایک خانہ خالی تھا۔ بابا صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی ان کو جگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ حق ہے۔ اس خالی خانہ کو تمہیں بھرنا ہے۔ اسی وقت وہیں کی رہنے والی ایک بڑھیا جو جھاڑو دینے کی غرض سے اُٹھی تھی اس نے دیکھا کہ بابا تاج الدینؒ اسی درخت کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے شور مچانا شروع کیا۔ اُٹھو اُٹھو رے لڑکو بابا صاحب آگئے۔ رحمن خاں بھی شور سُن کر اُٹھے تو دیکھا کہ وہاں کچھ نہ تھا۔

دن کے وقت حضرت غوث بابا نے قادر بابا سے پوچھا کہ رات کو بابا تاج الدین نے آپ کو کیا دیا۔ بابا قادر معصوم اور بھولے تو تھے ہی انہوں نے ساری باتیں بتادیں۔ حضرت غوث بابا کو ایک دھکا سا لگا اور کافی صدمہ ہوا۔ اپنے آپ سے کہنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے مجھے خدمت کرتے اور طلب میں جلتے ہوئے ایک عمر گزر گئی۔ ''تاج الدین یہ تم نے کیا کیا کہ اس لڑکے کو تم نے چابیاں حوالہ کر دیں۔'' اور پھر قادر بابا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ ''تمہیں یہ راز کسی کو بھی نہ بتانا چاہیے۔ مگر خیر شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے۔'' بابا تاج الدینؒ بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ آخر اس مشعل کو کہیں نہ کہیں قیام کرنا ہی ہے۔

ہم لوگ وقت کو گھڑی اور دن رات کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ عاشق وقت کو دل کی دھڑکنوں سے ناپتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام آبِ حیات کی تلاش میں نکلے تو ان پر کیا کچھ گزری مگر انہوں نے بالآخر آبِ حیات پی ہی لیا۔ دولت سرمدی کا متحمل وہی ہوتا ہے جس کو مشیت اس کا اہل سمجھ کر خود اس کی پرورش کرتی ہے۔ محنت کی اُجرت تو سب کو ملتی ہے لیکن اس نوری دولت کے مالک سب کہاں ہوتے ہیں۔ بابا صاحب کی نہ تو کوئی تعلیم تھی نہ تربیت۔ انہیں نہ کوئی وظیفہ پڑھنا پڑا نہ چلہ کشی کرنی پڑی۔ غیب کے بھید کون جانے۔ ایک نظر میں سب کچھ ہو گیا۔ وہ امانت جو حضرت مولا علیؓ کے توسط سے چلی تھی سینہ بہ سینہ بابا قادر اولیاؒ تک پہنچ گئی۔ وہ الماریاں کیا تھیں۔ ان کی کنجیاں بابا صاحب کو کیوں دی گئیں۔ ایک خالی خانہ کس چیز سے پُر ہگا۔ یہ غیب کی باتیں ہیں غیب کا بھید کس نے پایا ہے۔ یہ مقام سر خفی بلکہ اخفا سے بھی بالاتر ہے۔ مٹی کے پتلوں کا سارا علم اور شعور قبر تک ختم ہو جاتا ہے۔ ابدی اور ازلی معموں کے راز کو کیا سمجھا جاسکتا ہے۔

گزر گاہِ تصوف میں اک ایسا بھی مقام آیا　　جہاں نور محبت کے سوا کچھ بھی نہ کام آیا

وہ جوشِ جذب ہے منزل نگاہوں میں سمٹ آئی　　اندھیرے جگمگا اُٹھے جو لب پر تیرا نام آیا

حضورِ عشق پھر شائد کوئی غنچہ دہن پہنچا!　　چمن میں رنگ دبو کر پھر سے وحشت کا پیام آیا

ضمیرِ کن فکاں میں موجزن ہے بادۂ وحدت　　بقدر وسعت ہر جام سب کو اذنِ عام آیا

بھڑک اُٹھے ازل کے ساز سے تخلیق کے نغمے　　بھری محفل میں جس دم حضرت قادر کا نام آیا

(رحمن بابا)

نذر عقیدت بحضور تاج الاولیاء حضرت بابا تاج الدینؒ

ناگپوری قدس سرہٗ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

حقیقت کے امیں تم ہو ولایت کے نگیں تم ہو　　پڑھیں صلِّ علیٰ تم پر کہ قرآنِ مبیں تم ہو

تم ہی روح نبی ہو کنتُ کنزاً مخفیاً تم ہو　　غرض یہ ہے کہ تاج الدیں تم ہی تم ہو تم ہی تم ہو

جو چمکی تھی ازل میں وہ شعاعِ اولیں تم ہو　　ملا ورثہ میں احمد سے جو نور آخریں تم ہو

محمد کی محبت بن کے ٹپکی انگبیں تم سے　　ھو الاول ھو الآخر کی شانِ دلنشیں تم ہو

سراپا رحل و قرآں ہے نشستِ جسم قدوسی　　اسی عرشِ الٰہی پر ھدیً للمتقیں تم ہو

تم ہی سالار دیں ہو چودھویں صدی میں امت کے　　بشارت جس کی آئی تھی وہی فتح مبیں تم ہو

تم ہی نے لا الٰہ کو جذب کر کے جسم خاکی میں　　ابھارا نقش الا اللہ شمس العرفیں تم ہو

تم ہی ہو نقشبندی قادری، چشتی، سہروردی　　تم ہی تکمیلِ دین مصطفیٰ سر تاجِ دیں تم ہو

تم ہی ہو بوتراب و بو علی و شمس تبریزی　　ادائے قم باذنی صورت عین الیقیں تم ہو

مسیحائے زماں ہو باطن و ظاہر پہ قادرؔ ہو　　عجب ہے شانِ محبونی کہ شانِ عالمیں تم ہو

تم ہی تفسیر والنوری، تم ہی تعبیر والشمسی　　تم ہی بدر الدرجیٰ، شمس الضحیٰ انوارِ دیں تم ہو

تم ہی حکمت تمہیں عرفاں تم ہی یٰسیں تمہیں طٰہٰ　　تم ہی ہو جان جاں، جانِ حقیقت، جان دیں تم ہو

تم ہی نے مَاوَتو کو ختم کر دینا سکھایا ہے　　ھو اللّٰہ احد کے معنی شرعِ متیں تم ہو

پلٹ کر رنگ باطن دھووئے ظاہر کے سب نقشے　　اندھیرے ہو گئے روشن کہ ماہِ کاملیں تم ہو

پڑھیں صلِّ علیٰ تم پر کہ قرآن مبیں تم ہو

(ولی الدین)

☆...☆...☆